

# اسلامی قانون

(۲)

پاکستان میں اس کا نفاذ کس طرح ہو سکتا ہے

یہ تقریر ۱۹ فروری ۱۹۷۹ء کو لاہور میں کی گئی تھی

اس سے پہلے میں آپ کے سامنے ایک تقریر میں موضوع پر کرچکا ہوں کہ اسلامی قانون کی حقیقت کیا ہے، اس کی مندرجہ اور اس کا مقصد کیا ہے، اس کے بنیادی اصول کیا ہیں، مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا اس کے ساتھ تعلق کیا ہے اور ہم کیوں اپنے ملک میں اسے نافذ کرنے کے پابند ہیں اور وہ شبہات کیا ذرا رکھتے ہیں جو اس کے بارے میں عام طور پر پیش کئے جاتے ہیں۔ میری تقریر محض ایک تعارفی تقریر تھی۔ اب میں ذرا تفصیل کے ساتھ اس مسئلے پر بحث کرنا چاہتا ہوں کہ اگر اب ہم اس ملک میں اسلامی قانون کو از سر نو جاری کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اس کے لئے کیا تدابیر لینی کرنی ہوتی۔

فوری انقلاب نہ ممکن ہے نہ مطلوب | اس سلسلہ میں سب سے پہلے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اس غلط فہمی کو دور کر دوں جو اسلامی قانون کے اجراء کے متعلق کثرت سے لوگوں کے ذہن میں پائی جاتی ہے۔ لوگ جب سنتے ہیں کہ ہم یہاں اسلامی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں اور اس حکومت میں ملک کا قانون اسلامی قانون ہوگا تو انہیں یہ گمان ہوتا ہے کہ شاید نظام حکومت کے تغیر کا اعلان ہوتے ہی تمام پچھلے قوانین یک نخت منسوخ ہو جائیں گے اور اسلامی قانون بیک وقت نافذ کر دیا جائیگا۔ یہ غلط فہمی صرف عام لوگوں ہی میں نہیں پائی جاتی بلکہ اچھے خاصے مذہبی طبقے

بھی اس میں مبتلا ہیں۔ ان کے نزدیک ایسا ہونا ہی چاہیے کہ ادھر اسلامی حکومت قائم ہو اور ادھر فوراً ہی غیر اسلامی قوانین کا نفاذ بند اور اسلامی قانون کا نفاذ شروع ہو جائے۔ درحقیقت یہ لوگ اس بات کو بالکل نہیں سمجھتے کہ ایک ملک کا قانون اس کے اخلاقی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی نظام کے ساتھ گہرا تعلق رکھتا ہے۔ انہیں معلوم نہیں ہے کہ جب تک کسی ملک کا نظام زندگی اپنے سابقے کے ساتھ بدلتا رہتا ہے اس کے قانونی نظام کا بدل جانا ممکن نہیں ہے۔ انہیں اس کا بھی اندازہ نہیں ہے کہ کچھلے سوڈ ڈیڑھ سو برس سے ہم پر جو انگریزی اقتدار مسلط رہا ہے اس نے کس طرح ہماری زندگی کے پورے نظام کو اسلامی اصولوں سے ہٹا کر غیر اسلامی اصولوں پر چلا دیا ہے اور اب اسے پھر بدل کر دوسری بنیادوں پر قائم کرنا کتنی محنت، کتنی کوشش اور کتنا وقت چاہتا ہے۔ یہ لوگ عملی مسائل میں بصیرت نہیں رکھتے، اس لئے اجتماعی نظام کی تبدیلی کو ایک کھیل سمجھتے ہیں اور ہتھیلی پر سرسوں بھانے کا خواب دیکھتے ہیں۔ پھر ان کی یہی باتیں ان لوگوں کو جو اسلامی نظام سے فرار کی راہیں ڈھونڈ رہے ہیں، یہ موقع دے دیتی ہیں کہ وہ اس تخیل کا مذاق اڑائیں اور اس کے حامیوں کا استخفاف کریں۔

**تدریج کا اصول** | اگر ہم فی الواقع اپنے اس تخیل کو کامیاب دیکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں فطرت کے اس اصل قاعدے سے غافل نہ ہونا چاہیے کہ اجتماعی زندگی میں جتنے تغیرات بھی ہوتے ہیں تدریج ہی ہوا کرتے ہیں۔ انقلاب جتنا اچانک اور جس قدر یک رخا ہوگا اتنا ہی وہ ناپائیدار ہوگا۔ ایک مستحکم اور پائیدار انقلاب کے لئے یہ بالکل ضروری ہے کہ وہ زندگی کی ہر جہت اور ہر پہلو میں پورے توازن کے ساتھ کارفرما ہوتا کہ اس کا ہر گوشہ دوسرے گوشے کو سہارا دے سکے۔

**عہد نبوی کی مثال** | اس کی بہترین مثال خود وہ انقلاب ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب میں برپا کیا تھا۔ جو شخص حضور کے کاتب سے سے تھوڑی سی واقفیت رکھتا ہے اسے بھی معلوم ہے کہ آپ نے پورا اسلامی قانون اپنے سارے شعبوں کے ساتھ بیک وقت نافذ نہیں کر دیا تھا۔ بلکہ معاشرے کو تدریج اس کے لیے تیار کیا تھا اور اس تیاری کے ساتھ آہستہ آہستہ سابق حالت

کے طریقوں اور قاعدوں کو بدل کرنے اسلامی طریقے اور قاعدے جاری کئے تھے۔ آپ نے سب سے پہلے اسلام کے بنیادی تصورات اور اخلاقی اصول لوگوں کے سامنے پیش کئے۔ پھر جو لوگ اس دعوت کو قبول کرتے گئے انہیں آپ تربیت دے کر ایک ایسا صالح گروہ تیار کرتے چلے گئے جس کا ذہن اور زاویہ نظر اور طرز عمل خالص اسلامی تھا۔ جب یہ کام ایک خاص حد تک پایہ تکمیل کو پہنچ گیا تو آپ نے دوسرا قدم اٹھایا، اور وہ یہ تھا کہ مدینہ میں ایک ایسی حکومت قائم کر دی جو خالص اسلامی نظریہ پر مبنی تھی اور جس کا مقصد ہی یہ تھا کہ ملک کی زندگی کو اسلام کے نقشے پر ڈھال دے۔ اس طرح سیاسی طاقت اور ملکی ذرائع کو ہاتھ میں لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وسیع پیمانے پر اصلاح و تعمیر کا وہ کام شروع کیا جس کے لئے آپ پہلے صرف دعوت و تبلیغ کے ذریعہ سے کوشش فرما رہے تھے۔ آپ نے ایک مرتب اور منظم طریقے سے لوگوں کے اخلاق، معاشرت، تمدن اور معیشت کو بدلنے کی جدوجہد کی۔ تعلیم کا ایک نیا نظام قائم کیا، جو اس زمانے کے حالات کے لحاظ سے زیادہ تر زبانی تلقین کے طریقے پر تھا۔ جاہلیت کے خیالات کی جگہ اسلامی طرز فکر کی اشاعت کی۔ پرانی رسموں اور طور طریقوں کی جگہ نئے اصلاح یافتہ رواج اور آداب اطوار جاری کئے اور اس ہمہ گیر اصلاح کے ذریعے سے جوں جوں زندگی کے مختلف گوشوں میں انقلاب رونما ہوتا گیا، آپ اسی کے مطابق پورے تواریخ اور تناسب کے ساتھ اسلامی قانون کے احکام جاری کرتے چلے گئے، یہاں تک کہ ۹ سال کے اندر ایک طرف اسلامی زندگی کی تعمیر مکمل ہوئی اور دوسری طرف پورا اسلامی قانون ملک میں نافذ ہو گیا۔

قرآن اور حدیث کے غائر مطالعے سے ہمیں واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ نے یہ کام کس ترتیب و تدریج کے ساتھ کیا تھا۔ وراثت کا قانون سب سے پہلی میں جاری کیا گیا۔ نکاح و طلاق کے قوانین رفتہ رفتہ سب سے پہلی میں جا کر مکمل ہوئے۔ فوجداری قوانین کئی سال تک ایک ایک قدم کر کے نافذ کئے جاتے رہے یہاں تک کہ سب سے پہلے میں ان کی تکمیل ہوئی۔ شراب کی بندش کے لئے بتدریج فضا

تیار کی گئی اور شہ ہجری میں اس کا قطعی انسا کر دیا گیا۔ سود کی برائی اگرچہ مکہ ہی میں صاف صاف بیان کی جا چکی تھی، مگر اسلامی حکومت قائم ہوتے ہی اسے یک لخت بند نہیں کر دیا گیا بلکہ ملک کے پورے معاشی نظام کو بدل کر جب نئے سانچوں میں ڈھال دیا گیا تب کہیں شہ ہجری میں سود کی قطعی حرمت کا قانون جاری کیا گیا۔ یہ کام بالکل ایک مہمار کا سا کام تھا جس نے اپنے پیش نظر نقشے کی عمارت بنانے کے لئے کارگزار اور مزدور جمع کئے، ذرائع و وسائل مہیا کئے، زمین نہوار کی، بنیادیں کھودیں، پھر ایک ایک اینٹ رکھ کر ہر جہت سے عمارت کو اٹھاتا ہوا اوپر تک لے گیا، اور چند سال کی مسلسل محنت کے بعد آخر کار وہ عمارت مکمل کر دی جس کا خاکہ اس کے ذہن میں تھا۔

انگریزی دور کی مثال اقرب کے زمانہ میں خود ہمارے ملک پر جب انگریزوں کی حکومت قائم ہوئی تھی تو کیا انہوں نے ایک نخت یہاں کا سا نظام بدل ڈالا تھا؟ نہیں۔ ان کی حکومت سے پہلے چھوڑتا سو برس سے یہاں کا پورا نظام زندگی اسلامی فقہ پر چل رہا تھا۔ اس صدیوں کی جمی ہوئی عمارت کو ڈھا دینا اور مغربی اصول و نظریات کے مطابق ایک دوسرے نظام کی عمارت کھڑی کر دینا ایک دن کا کام نہ تھا۔ تاریخ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ انگریزی اقتدار قائم ہونے کے بعد بھی ایک مدت تک ہندوستان میں اسلامی فقہ ہی راج تھا۔ عدالتوں میں قاضی ہی انصاف کے لئے بیٹھتے تھے اور اسلام کا قانون صرف پرنسپل لا کی حد تک محدود نہ تھا بلکہ وہی ملکی قانون (Law of the land) بھی تھا۔ انگریزوں کو یہاں کا قافی نظام بدلتے بدلتے ایک صدی لگ گئی انہوں نے بتدریج یہاں کا نظام تعلیم بدل کر اپنے مطلب کے آدمی ڈھالے، اپنے خیالات کی اشاعت سے ذہنتیں بدلیں، اپنے اقتدار کے اثر سے لوگوں کے اخلاق بدلے، اپنی بالادستی کے زور سے معاشی نظام بدلا، اور پھر جیسے جیسے یہ مختلف قسم کے ہم گیر اثرات یہاں کی اجتماعی زندگی کو بدلتے گئے اسی کے مطابق پرانے قوانین منسوخ اور نئے قوانین جاری ہوتے چلے گئے۔

تدریج ناگریز ہے | اب اگر ہم یہاں پھر اسلامی قانون جاری کرنا چاہتے ہیں تو ہمارے لئے بھی انگریزی حکومت کے صد سالہ نقوش کو کھرچ دینا اور نئے نقوش ثبت کر دینا محض ایک جنبشِ قلم سے

ممکن نہیں ہے۔ ہمارا پورا نظام تعلیم زندگی اور اس کے عملی مسائل سے ایک مارت واز تک بے تعلق رہنے کے باعث اس قدر بے جان ہو چکا ہے کہ اس کے فارغ التحصیل لوگوں میں ایک فی ہزار کے اوسط سے بھی ایسے آدمی نہیں نکل سکتے جو ایک جدید ترقی یافتہ ریاست کے جج اور محبِ طریقت بنائے جاسکیں۔ دوسری طرف موجودہ نظام تعلیم نے جو آدمی تیار کئے ہیں وہ اسلام اور اس کے قوانین سے بالکل بے بہرہ ہیں اور ان میں ایسے افسر اور بھی خال خال ہی پائے جلتے ہیں جن کی ذہنیت ہی کم از کم اس تعلیم کے زہریلے اثرات سے محفوظ رہ گئی ہو۔ پھر سو ڈیڑھ سو برس تک محظول رہنے کی وجہ سے ہمارا قانونی ذخیرہ بھی زمانے کی رفتار سے اچھا خاصا پیچھے رہ گیا ہے اور اسے موجودہ دور کی عدالتی ضروریات کے لئے کارآمد بنانا کافی محنت چاہتا ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ایک طویل مدت تک اسلامی اثر سے آزاد اور انگریزی حکومت کے تابع رہتے رہتے ہمارے اخلاق، تمدن، معاشرت، ہمیشہ اور سیاست کا نقشہ اصل اسلامی نقشے سے بہت مختلف ہو چکا ہے۔ اس حالت میں ملک کے قانونی نظام کو یک نخت بدل دینا — اگر ایسا کرنا ممکن بھی ہو — نتیجہ خیز نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس صورت میں زندگی کا نظام اور قانونی نظام دونوں ایک دوسرے سے بے گانہ، بلکہ یا ہم منقاد م ہونگے، اور ایسے قانونی تغیر کا وہی حشر ہو گا جو ایک پورے کو ایسی آب و ہوا اور ایسی زمین میں لگا دینے سے ہوا کرتا ہے جو اس کے مزاج سے کوئی مناسبت نہ رکھتی ہو۔ لہذا یہ یا کھل ناگزیر ہے کہ جس اصلاح و تغیر کے ہم طالب ہیں وہ تدریج کے ساتھ ہو، اور قانونی تبدیلیاں اخلاق، تعلیم، معاشرت، تمدن، ہمیشہ اور سیاست کی تبدیلیوں کے ساتھ متوازن طریقہ سے کی جائیں۔

ایک غلط بہانہ [لیکن تدریج کے اس معقول اور بجائے خود بالکل صحیح اصول کو بہانہ بنا کر جو لوگ اس بات کے حق میں استدلال کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ سردست تو یہاں ایک غیر دینی — بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں ایک بے دین — ریاست ہی قائم ہونی چاہیے، پھر جب اسلامی ماحول تیار ہو جائیگا تو وہ اسلامی ریاست بھی قائم ہو جائیگی جو اسلامی قانون جاری کر سکے، وہ سراسر ایک نامعقول بات

کہتے ہیں۔ میں ان سے پوچھتا ہوں کہ یہ ماحول تیار کون کریگا؟ کیا ایک بے دین ریاست جس کی باہیں فرنگیت زدہ حکام اور لیڈروں کے ہاتھ میں ہوں؟ کیا وہ مہمار جو صرف میخانہ و چم خانہ ہی کی تعمیر جانتے اور اسی سے دلچسپی بھی رکھتے ہیں، ایک مسجد تعمیر کرنے کا سامان کریں گے؟ اگر ان لوگوں کا یہی مطلب ہے تو انسانی تاریخ میں یہ پہلا اور بالکل نرا تجربہ ہو گا کہ بے دینی خود دین کو پروان چڑھا کر اپنی جگہ لینے کے لئے تیار کریگی! اور اگر ان کا مطلب کچھ اور ہے تو وہ ذرا اس کی صاف صاف توضیح فرمائیں کہ اسلامی ماحول کی تیاری کا کام کون، کس طاقت اور کن ذرائع سے کریگا اور اس دوران میں بے دین ریاست اپنے ذرائع اور اقتدار کو کس چیز کی تعمیر و ترقی میں صرف کرتی رہے گی؟

ابھی ابھی تدریج کا اصول ثابت کرنے کے لئے جو مثالیں میں نے پیش کی ہیں انہیں اگر آپ ایک مزید پھر اپنے ذہن میں تازہ کر لیں تو آپ یہ بات اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ اسلامی نظام زندگی کی تعمیر ہو یا غیر اسلامی نظام زندگی کی، اگرچہ وہ ہوتی تو تدریج ہی ہے، لیکن تدریجاً اس کی تعمیر صرف اسی صورت میں ہو سکتی ہے جبکہ ایک مہمار طاقت اپنے سامنے ایک مقصد اور ایک نقشہ رکھ کر مسلسل اس کے لئے کام کرے۔ صد اول میں جو اسلامی انقلاب ہوا تھا، اسی طرح تو ہوا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے برسوں اس کے لئے سعی کی، موزوں آدمی تیار کئے، تعلیم و تبلیغ کے ذریعہ سے لوگوں کے خیالات بدلے، حکومت کے پورے نظم و نسق کو معاشرے کی اصلاح اور ایک نئے تمدن کی تخلیق کے لئے استعمال کیا، اور اس طرح وہ ماحول بنا جس میں اسلامی قانون جاری ہو سکا۔ ماضی قریب میں انگریزوں نے ہندوستان کے نظام زندگی میں جو تغیرات کئے وہ بھی تو اسی طرح ہوئے کہ زمام کار ایسے لوگوں کے ہاتھ میں تھی جو اس تغیر کے خواہشمند تھے اور اس کے لئے کام کرنا جانتے تھے۔ انہوں نے ایک مقصد اور ایک نقشے کو نگاہ میں رکھ کر یہیم اس تغیر کے لئے کوشش کی اور آخر کار یہاں کے پورے نظام زندگی کو اس سانچے میں ڈھال کر ہی چھوڑا جو ان کے اصول و قوانین سے مناسبت رکھتا تھا۔ پھر کیا اب ہماری پیش نظر تعمیر اس مہمار طاقت کے بغیر ہو جائیگی، یا ایسے مہماروں کے ہاتھوں ہو سکے گی جو اس نقشے پر تعمیر کا کام نہ جانتے ہوں اور نہ چاہتے ہوں؟

صحیح ترتیب کار | میں سمجھتا ہوں، اور مجھے اُمید ہے کہ یہ معقول آدمی اس معاملہ میں مجھ سے اتفاق کریگا کہ جب یہ پاکستان اسلام کے نام سے اور اسلام کے لئے مانگا گیا ہے اور اسی بنا پر ہماری مستقل ریاست قائم ہوئی ہے تو ہماری اس ریاست ہی کو وہ معارفاقت بننا چاہیے جو اسلامی زندگی کو تعمیر کرے۔ اور جبکہ یہ ریاست ہماری اپنی ریاست ہے اور ہم اپنے تمام قومی ذرائع و وسائل اس کے سپرد کر رہے ہیں، تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس تعمیر کے لئے کہیں اور سے معمار فراہم کریں۔

یہ بات اگر صحیح ہے تو پھر اس تعمیر کی راہ میں پہلا قدم یہ ہونا چاہئے کہ ہم اپنی اس ریاست کو، جو ابھی تک انگریزی کی چھوڑی ہوئی کافرانہ بنیادوں پر قائم ہے، مسلمان بنائیں۔ اور اسے مسلمان بنانے کی آئینی صورت یہ ہے کہ ہماری دستور ساز اسمبلی باقاعدہ اس امر کا اعلان کرے کہ ۱۔ پاکستان میں حاکمیت خدا کی ہے اور ریاست اس کے نائب کی حیثیت سے ملک کا انتظام کریگی۔

۲ ریاست کا اساسی قانون شریعت خداوندی ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہمیں پہنچی ہے۔  
۳۔ تمام پچھلے قوانین جو شریعت سے متصادم ہوتے ہیں بتدریج بدل دئے جائیں گے اور آئندہ کوئی ایسا قانون نہ بنایا جاسکے گا جو شریعت سے متصادم ہوتا ہو۔

۴۔ ریاست اپنے اختیارات کے استعمال میں اسلامی حدود سے تجاوز کرنے کی مجاز نہ ہوگی۔  
یہ وہ کلمہ شہادت ہے جسے اپنی آئینی زبان — یعنی دستور ساز اسمبلی — کے ذریعہ سے ادا کر کے ہماری ریاست ”مسلمان“ ہو جائیگی۔

اس اعلان کے بعد ہی صحیح طور پر ہمارے رائے دہندوں کو یہ معلوم ہوگا کہ اب انہیں کس مقصد اور کس کام کے لئے اپنے نمائندے منتخب کرنے ہیں۔ عوام میں علم و دانش کی لاکھ کئی سہی، مگر وہ اتنی سمجھ بوجھ ضرور رکھتے ہیں کہ انہیں کس کام کے لئے کس کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور ان کے درمیان کون لوگ کس مطلب کے لئے موزوں ہیں۔ آخر وہ اتنے نادان تو نہیں ہیں کہ علاج کے لئے وکیل اور مقدمہ لڑنے کے لئے ڈاکٹر کو تلاش کریں۔ وہ اس کو بھی کسی نہ کسی حد تک جانتے ہی ہیں کہ ان کی

بستیوں میں ایماندار اور خدا ترس لوگ کون ہیں، چالاک اور دنیا پرست کون، اور شرعیہ و مفسد کون جیسا مقصد ان کے سامنے ہوتا ہے ویسے ہی آدمی وہ اس کے لئے اپنے اندر سے ڈھونڈ نکالتے ہیں۔ اب تک ان کے سامنے یہ مقصد آیا ہی نہ تھا کہ انہیں ایک دینی نظام چلانے کے لئے آدمی دیکار ہیں۔ پھر وہ اس کے چلانے والے آخر تلاش کرتے تو کیوں جیسا بے دین اور غیر اخلاقی نظام ملک میں قائم تھا اور اس کا مزاج جس قسم کے آدمی چاہتا تھا، اس کے لئے ویسے ہی آدمیوں پر لوگوں کی نگاہ انتخاب پڑی اور انہی کو رائے دہندوں نے چن کر بھیج دیا۔ اب اگر ہم ایک اسلامی ریاست کا دستور بنائیں اور لوگوں کے سامنے سوال یہ آجائے کہ اس نظام کو چلانے کے لئے انہیں موزوں آدمی منتخب کرنے ہیں، تو چاہے ان کا انتخاب کمال درجہ کا معیاری نہ ہو، مگر بہر حال اس کام کے لئے ان کی نگاہیں فساق و فجار اور دین مغربی کے مومنین پر نہیں پڑنیگی۔ وہ اس کے لئے انہی لوگوں کو تلاش کریں گے جو اخلاقی، ذہنی اور علمی حیثیت سے اس کے اہل ہوں گے۔

پس ریاست کو مسلمان بنانے کے بعد تعمیر حیات اسلامی کی راہ میں دوسرا قدم یہ ہے کہ جمہوری انتخاب کے ذریعہ سے اس ریاست کی زمام کار ایسے لوگوں کے ہاتھ میں منتقل ہو جو سلام کو جانتے بھی ہوں اور اس کے مطابق ملک کے نظام زندگی کو ڈھالنا چاہتے بھی ہوں۔

اس کے بعد میرا قدم یہ ہے کہ اجتماعی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا ہمہ گیر اصلاح کا ایک منصوبہ (Plan) بنایا جائے اور اسے عمل میں لانے کے لئے ریاست کے تمام ذرائع و وسائل استعمال کئے جائیں تعلیم کا نظام بدلا جائے۔ ریڈیو، پریس، سنیما اور خطابت کی ساری طاقتیں لوگوں کے خیالات کی اصلاح اور ایک نئی اسلامی ذہنیت کی تخلیق میں صرف کی جائیں۔ معاشرت اور تمدن کو نئے سانچوں میں ڈھالنے کے لئے پیہم اور باقاعدہ کوشش کی جائے۔ سول سروس، پولیس، جیل، عدالت اور فوج سے تہ تیغ ان عناصر کو خارج کیا جائے جو چرانے فاسقانہ و کافرانہ نظام کی عادات و خصائل میں ڈھل کر سوکھ چکے ہیں، اور ان نئے عناصر کو کام کرنے کا موقع دیا جائے جو اس اصلاح کے کام میں مددگار بن سکتے ہیں۔ معاشی نظام میں بنیادی تبدیلیاں کی جائیں اور اس کا

پورا ڈھانچہ، جو پرانی ہندوانہ اور جدید فرنگیانہ بنیادوں پہ چل رہا ہے، ادھیڑ ڈالا جائے۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر ایک صلاح اور مدبر گروہ اقتدار کے منصب پر فائز ہو اور ملک کے سارے وسائل اور حکومت کے پورے نظم و نسق کی طاقت سے کام لے کر باقاعدگی کے ساتھ اصلاح کے ایک سوچے سمجھے منصوبے پر عمل شروع کر دے تو دس سال کے اندر اس ملک کی اجتماعی زندگی کا نقشہ بالکل بدل ڈالا جاسکتا ہے، اور جیسے جیسے یہ تبدیلی واقع ہوتی جائے، ایک صحیح توازن کے ساتھ سابق قوانین کی ترمیم و تیسخ اور اسلامی قوانین کے نفاذ کا سلسلہ جاری ہو سکتا ہے، یہاں تک کہ بالآخر جہت کا کوئی قانون ہمارے ملک میں باقی نہ رہے اور اسلام کا کوئی حکم نافذ ہونے سے نہ رہ جائے۔

اجراء قانون اسلامی کے لئے تعمیری کام | اب میں خاص طور پر اس تعمیری کام کی کچھ تفصیل آپ کے بیان کروں گا جو ملک کے قانونی نظام کو بدلنے اور اسلام کے قوانین کو جلدی کرنے کے لئے ہمیں کرنا ہوگا۔ جس اصلاحی پروگرام کی طرف ابھی میں اشارہ کر چکا ہوں اس کے سلسلہ میں ہم کو قریب قریب ہر شعبہ زندگی میں بہت سے تعمیری کام کرنے پڑینگے، کیونکہ مدتہائے دراز کے تعطل، انحطاط اور غلامی نے ہمارے تمدن کی عمارت کے ہر گوشے کو خراب کر کے چھوڑا ہے۔ لیکن اس وقت میری تقریر ایک خاص موضوع سے تعلق رکھتی ہے اس لئے دوسرے گوشوں کے تعمیری کام سے قطع نظر کر کے یہاں میں صرف اس کام کے متعلق کچھ عرض کروں گا جو ہمیں قانون اور نظم عدالت کے سلسلہ میں کرنا ہے۔

ایک قانونی اکیڈمی کا قیام | اس پہلو میں اولین کام جو ہمیں کرنا چاہئے، یہ ہے کہ ایک قانونی اکیڈمی قائم کی جائے جو اس پورے کام کا جائزہ لے جو علم قانون میں ہمارے اسلاف اس سے پہلے کر چکے ہیں، اور ان ضروری کتابوں کو جو فقہ اسلامی کی واقفیت کے لئے ناگزیر ہیں، اردو زبان میں صرف منتقل ہی نہ کرے بلکہ ان کے مواد کو زمانہ حال کے طرز ترتیب کے مطابق مرتب بھی کر دے تاکہ ان سے پورا فائدہ اٹھایا جاسکے جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، ہماری فقہ کا اصل ذخیرہ عربی زبان میں ہے اور ہمارا تعلیم یافتہ طبقہ بالعموم اس زبان سے ناواقف ہے۔ اس ناواقفیت کی وجہ سے، اور کچھ سنی سنائی باتوں کی بنا پر، ہمارے پڑھے لکھے لوگ عموماً اس فقہی ذخیرے کے متعلق طرح طرح کی

بدگمانیاں رکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ ان میں سے بہت سے لوگ تو یہاں تک کہہ بیٹھتے ہیں کہ دوران کار ملاطمت کے اختلافی بحثوں کے اس وقت بے معنی کو دریا برد کر دیا جائے اور نئے سرے سے اجتہاد کر کے کام چلایا جائے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اس قسم کے ہمہل خیالات ظاہر کرتے ہیں وہ محض اپنے علم ہی کی کمی کا نہیں، فکر و تدبیر کے فقدان کا بھی راز فاش کرتے ہیں۔ اگر وہ اپنے بزرگوں کے فقہی کارناموں کا واقعی مطالعہ کریں تو مجھے یقین ہے کہ انہیں اپنی ان باتوں پر خود ہی شرم آنے لگیگی۔ انہیں معلوم ہوگا کہ پچھلی بارہ تیرہ صدیوں میں ہمارے اسلاف محض فضول بحثوں میں وقت ضائع نہیں کرتے رہے ہیں بلکہ انہوں نے اپنے بعد آنے والی نسلوں کے لئے بڑی قیمتی میراث چھوڑی ہے۔ وہ بہت سی ابتدائی منزلیں ہمارے لئے تعمیر کر گئے ہیں اور ہم سے بڑھ کر زیاں کار کوئی نہ ہوگا اگر ہم محض جہالت کی بنا پر اس بنی بنائی عمارت کو خواہ مخواہ ڈھا کر نئے سرے سے ہی تعمیر کی ابتدا کرنے پر اصرار کریں۔ ہمارے لئے عقلمندی یہی ہے کہ جو اگلے بنا گئے ہیں اُسے اپنی آج کی ضرورتوں کے لئے کارآمد بنائیں، اور آگے جن چیزوں کی ضرورت پیش آئے اس کے لئے مزید تعمیر کرتے رہیں۔ ورنہ ہر نسل اگر یونہی اپنے سے پہلی نسلوں کے کام پر پانی پھیرتی رہے اور نئے سرے سے سب کچھ بنانے کی کوشش کرے تو یقیناً ترقی کی طرف قدم آگے بڑھ ہی نہیں سکتا۔

میں اس سلسلہ کی پہلی تقریر میں عرض کر چکا ہوں کہ پچھلی صدیوں میں دنیا کے ایک بہت بڑے حصے پر مسلمانوں کی جس قدر سلطنتیں قائم ہوئی تھیں ان سب کا قانون فقہ اسلامی ہی تھی۔ اس زمانے میں مسلمان نمری گھاس نہیں کھوتے تھے بلکہ ایک اعلیٰ درجہ کا تمدن ان کے اندر موجود تھا۔ ان کے وسیع تمدن کی ساری ہی ضروریات پر ان کے فقہانے اسلامی قوانین کو منطبق کیا تھا۔ یہی فقہان حکومتوں کے جج، مجسٹریٹ اور چیف جسٹس ہوتے تھے اور ان کے فیصلوں سے نظائر کا ایک وسیع ذخیرہ فراہم ہو گیا تھا۔ انہوں نے قریب قریب ہر شعبہ قانون سے بحث کی ہے محض دیوانی و فوجداری قوانین ہی نہیں، دستوری اور بین الاقوامی قوانین کے متعلق بھی ان کے قلم سے ایسی ایسی لطیف بحثیں نکلی ہیں کہ ان کا مطالعہ کر کے ایک قانون دان آدمی ان کی زور نگاہی کی داد دے بغیر نہیں رہ سکتا۔

ضرورت ہے کہ ہم اہل علم کے ایک گروہ کو ان بزرگوں کے چھوڑے ہوئے ذخیرہ کا جائزہ لینے پر مامور کریں، اور وہ موجودہ زمانے کی قانونی کتابوں کے طرز پر اس تمام کارآمد مواد کو مرتب کر ڈالے جو اس ذخیرے میں مل سکتا ہو۔

خصوصیت کے ساتھ چند کتابیں تو ایسی ہیں جن کو اردو زبان میں منتقل کر لینا نہایت ضروری ہے:

۱- احکام القرآن پر تین کتابیں، جصاص، ابن العربی اور قرطبی۔

ان کتابوں کا مطالعہ ہمارے قانونی طلبہ کو قرآن مجید سے احکام مستنبط کرنے کی بہترین تربیت دے گا۔ ان میں قرآن کی تمام احکامی آیات کی تفسیر کی گئی ہے، احادیث اور آثار صحابہ میں ان کی جو تشریح ملتی ہے اسے نقل کیا گیا ہے، اور مختلف ائمہ مجتہدین نے ان سے جو احکام نکالے ہیں انہیں ان کے دلائل سمیت مفصل بیان کر دیا گیا ہے۔

۲- دو سر قیمتی ذخیرہ کتب حدیث کی شرحوں کا ہے جن میں احکام کے علاوہ نظائر اور تشریحی بیانات کا بھی بہترین مواد ملتا ہے۔ ان میں خاص طور پر یہ کتابیں اردو میں منتقل ہونی چاہئیں۔

بخاری پر فتح الباری اور عینی

مسلم پر نووی اور مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کی فتح الملہم۔

ابوداؤد پر عون المعبود اور بدل المجدود۔

موطا پر شاہ ولی اللہ صاحب کی مسویٰ اور مصفیٰ۔ اور موجودہ دور کے ایک ہندوستانی

عالم کی او جز المسالک

منتقى الاخبار پر شوکانی کی نیل الاوطار

مشکوٰۃ پر مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی التعلیق الصبیح۔

علم الآثار میں امام طحاوی کی شرح معانی الآثار۔

۳- اس کے بعد ہمیں فقہ کی ان بڑی بڑی کتابوں کو لینا چاہیے جو اس علم میں اہمات کتب

کا درجہ رکھتی ہیں۔ ان میں خصوصیت کے ساتھ یہ کتابیں اردو میں منتقل ہونی چاہئیں:

فقہ حنفی پر امام خسری کی المبسوط اور شرح السیر الکبیرہ کا شافی کی ذائع الاستار۔

ابن ہمام کی فتح القدر مع ہدایہ - اور فتاویٰ عالمگیری

کتاب الام - شرح المنہب اور معنی المحتاج

المدونہ - اور کوئی اہم کتاب جس کو اہل علم انتخاب کریں۔

ابن تداہ کی المعنی

ابن مزہم کی المحلی

ابن رشد کی بدایۃ المجتہد - اور علماء مصر کی مرتب کردہ الفقہ

فی المذاہب الاربعہ

امام ابو یوسف کی کتاب الخراج - یحییٰ بن آدم کی الخراج - ابو

عبید القاسم کی کتاب الاموال - ہماں بن سعید کی احکام الوقت -

وسیطی کی احکام الموارث -

۴۔ پچھ ہیں اصول قانون اور حکمت شریع کی بھی چند اہم کتابوں کو اردو کا جامہ

پہنا لینا چاہیے تاکہ ان کی مدد سے ہمارے اہل قانون میں اسلامی فقہ کا صحیح فہم اور اس کی

روح سے گہری واقفیت پیدا ہو۔ میرے خیال میں اس موضوع پر یہ کتابیں قابل انتخاب ہیں۔

ابن مزہم کی اصول الاحکام - علامہ آمدی کی الاحکام لاصول الاحکام خصری کی

اصول الفقہ - امام شافعی کی الموافقات - ابن القیم کی اعلام الموقعین - اور شاہ ولی اللہ

ساحب کی حجۃ اللہ البالغہ -

ان کتابوں کے متعلق ہمیں صرف اتنا ہی نہیں کرنا ہے کہ محض ان کے ترجمے اردو زبان

میں کپڑے لے جائیں، بلکہ ان کے مضامین کو موجودہ زمانہ کی قانونی کتابوں کے طرز پر از سر نو

مترتب بھی کرنا ہوگا۔ نئے عنوانات قائم کرنے ہوں گے، منتشر مسائل کو ایک ایک عنوان کے

تحت جمع کرنا ہوگا، فہرستیں بنانی پڑیں گی اور انڈکس تیار کرنے ہوں گے۔ اس محنت کے بغیر

یہ کتابیں آج کل کی ضروریات کے لئے پوری طریقہ کار کے لئے ہر سیکشن کی تدبیر کے ساتھ ساتھ  
تدوین کچھ اور تھا اور اس زمانے میں قانونی مسائل کے لئے اتنے مختلف عنوانات بھی پیدا  
نہیں ہوئے تھے جتنے آج پیدا ہو گئے ہیں۔ مثال کے طور پر وہ دستوری قانون اور بین  
الاقوامی قانون کے لئے کوئی الگ نام نہیں رکھتے تھے بلکہ ان کے لئے سائل کو وہ نکل کر،  
خراج، جہاد اور میراث کے ابواب میں بیان کرتے تھے۔ فوجداری قانون ان کے لئے  
کوئی الگ عنوان نہ تھا، بلکہ اس کے مسائل، حدود، جنایات اور دیات کے مختلف عنوانات  
میں تقسیم کرتے جاتے تھے۔ دیوانی قانون کو بھی انہوں نے الگ نام نہیں کیا تھا بلکہ ایک  
ہی مجموعہ قوانین میں بہت سے عنوانات کے تحت اس کو جمع کر دیا تھا۔ ایات اور مباحثہ  
وغیرہ نام ان کے لئے نہ تھے۔ اس سلسلہ کے سائل پر وہ کتاب البدیع، کتاب النصف،  
کتاب المضاربه، اور کتاب المزارعہ وغیرہ عنوانات کے تحت بیان کرتے تھے۔ اسی طرح  
قانون شہرت، نصابہ و دیوانی، نصابہ فوجداری، اور نصابہ عدالت وغیرہ۔ جدید  
اصول جین ان کے لئے نہیں بنی تھیں۔ ان قوانین کے مسائل ان کی کتابوں میں آداب  
القاضی، کتابہ العیون، کتاب الاکراه، کتاب الشہادات اور کتاب الاقرار  
وغیرہ عنوانات کے تحت ملتے ہیں۔ اب اگر یہ کتابیں جوں کی توں اردو میں منتقل کر لی  
جائیں تو ان سے کما حقہ فائدہ اٹھانا ناممکن ہے۔ ضرورت ہے کہ کچھ قانونی نظریے والے  
اہل علم ان پر کلمہ کریں اور ان کی ترتیب بدل کر ان کے مواد کو جدید طرز پر مرتب کر دیں  
اور بالخصوص اگر یہ بہت زیادہ محنت طلب کام نظر آئے تو کم از کم اتنا تو ضروری ہونا چاہیے  
کہ ان کی فہرستیں پوری با یکا بندی کے ساتھ بنائی جائیں، اور ایسے مختلف قسم کے ایڈٹس  
بنائے جائیں جن کے ذریعہ سے ان میں مسائل کا تلاش کرنا آسان ہو جائے۔

تدوین احکام اس سلسلہ کا دوسرا اہم کام ہے کہ مذکورہ درجہ دار نامہ اور ماہرین قانون کی ایک ایسی مجلس  
مقرر کی جائے جو اسلام کے قانونی احکام کو جدید دور کی کتب قانون کے طرز پر دفعہ وار تدوین

( Codified ) کر دے۔

میں اپنی پہلی تقریر میں وضاحت کے ساتھ یہ بات آپ سے عرض کر چکا ہوں کہ اسلامی نقطہ نظر سے قانون کا اطلاق ہر اس قول پر نہیں ہوتا جو کسی فقیہ یا امام مجتہد کی زبان سے نکلا ہو یا کسی فقہی کتاب میں لکھا ہو۔ قانون صرف چار چیزوں کا نام ہے :-

۱۔ کوئی حکم جو قرآن میں اللہ تعالیٰ نے دیا ہو،

۲۔ کسی قرآنی حکم کی تشریح و تفصیل، یا کوئی مستقل حکم جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو،

۳۔ کوئی استتباط، تیاس، اجتہاد یا استحسان جس پر امت کا اجماع ہو، یا جمہور علماء کا

ایسا تہنی ہو جسے ہمارے ملک کے مسلمانوں کی عظیم اکثریت تسلیم کرتی رہی ہے۔

۴۔ اسی قبیل کا کوئی ایسا امر جس پر ہمارے ملک کے اہل حل و عقد کا اب اجماعی یا جمہوری فیصلہ

ہو جائے۔

میری تجویز یہ ہے کہ پہلی تین قسموں کے احکام کو ماہرین کی ایک جماعت ایک مجلسِ احکام

( Code ) کی شکل میں مرتب کرے۔ پھر جو قوانین آئندہ اجماعی یا جمہوری فیصلوں سے

بننے جائیں ان کا اضافہ ہماری کتاب آئین میں کیا جاتا ہے۔ اگر اس قسم کا ایک مجلہ احکام بن جائے

تو اصل قانون کی کتاب وہ ہوگی، اور باقی تمام فقہی کتابیں اس کے لئے شرح ( Commentary )

کی حیثیت میں ہوں گی۔ نیز اس طرح عدالتوں میں قانون اسلامی کی تنفیذ اور لاکاجوں میں اس قانون کی

تعلیم بھی آسان ہو جائیگی۔

قانونی تعلیم کی اصلاح آتیسرا ضروری کام یہ ہے کہ ہم اپنے ہاں قانون کی تعلیم کا سابق طریقہ بدل دیں اور

اپنے لاکاجوں کے نصاب اور طریق تربیت میں ایسی اصلاحات کریں جن سے طلبہ اسلامی قانون کی تنفیذ

کے لئے علمی اور اخلاقی، دونوں عیشیتوں سے تیار ہو سکیں۔

اس وقت تک جو تعلیم ہماری قانونی درس گاہوں میں دی جا رہی ہے وہ ہمارے نقطہ نظر سے بالکل

ناکارہ ہے۔ اس سے فارغ ہو کر نکلنے والے طالب علم صرف یہی نہیں کہ اسلامی قانون کے علم سے بیخبر

ہوتے ہیں۔ بلکہ ان کی ذہنیت بھی غیر اسلامی افکار کے سانچے میں ڈھل جاتی ہے، اور ان کے اندر اخلاقی صفات بھی ویسی ہی پیدا ہو جاتی ہیں جو مسلمانی قوانین کے اعتبار کے لئے موزوں ترین، مگر اسلامی قانون کو نافذ کرنے کے لئے قطعاً غیر موزوں ہیں۔ اس صورت حال کو جب تک ہم بدل نہ دیں گے اور ان درسگاہوں میں اپنے معیار کے نقیبہ پیدا کرنے کا اہتمام نہ کریں گے، ہمارے ہاں وہ آدمی ذرا ہی نہ ہو سکیں گے جو ہماری عدالتوں میں قاضی اور مشقی کے فرائض بخوبی انجام دینے کے لائق ہوں۔

اس مقصد کے لئے جو تجاویز میرے ذہن میں ہیں وہ میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ دوسرے اہل علم بھی ان پر غور کریں اور ان میں اصلاح و اضافہ فرمائیں تاکہ ایک اچھی قابل عمل اسکیم بن سکے۔ اس سب سے مقدم اصلاح یہ ہونی چاہیے کہ آئندہ سے لاکھوں میں داخلہ کے لئے عربی زبان کی راقیت۔۔۔ اتنی واقفیت جو قرآن، حدیث اور فقہ کا مطالعہ کرنے کے لئے کافی ہو۔۔۔

ازم قرار دی جائے۔ اگرچہ ہم اسلامی قانون کی پوری تسلیم و اردو میں دینا چاہتے ہیں، اور اس فن کی تمام ضروری کتابوں کو عربی اردو میں منتقل کر لینا چاہتے ہیں، لیکن اس کے باوجود عربی زبان کے علم کی ضرورت پھر بھی باقی رہے گی۔ لہذا کہ اسلامی فقہ میں بعیرت بہر حال اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتی جب تک آدمی اس زبان سے واقف نہ ہو جس میں قرآن نازل ہوا ہے اور جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نظام فرمایا ہے۔ ابتداءً ہمیں لاکھوں کے لئے عربی زبان و سید و وار فراہم کرنے میں دشواری ضرور پیش آئے گی۔ ممکن ہے اس غرض کے لئے ہم کو چند سال تک سر لاکھ میں ایک منتقل نظام عربی تعلیم کے لئے کھولنی پڑے، اور شاید تعلیم قانون کی مدت میں ایک سال کا اضافہ بھی کر دینا پڑے۔ لیکن آگے چل کر جب ہمارے پورے نظام تعلیم میں عربی بطور ایک لازمی زبان کے شامل ہو جائے گی تو لاکھوں میں داخلہ کے لئے جو گریجویٹ بھی آئیں گے وہ پہلے ہی عربی زبان سے بخوبی واقف ہونگے۔

۲۔ عربی زبان کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ قانون کی تعلیم شروع کرنے سے پہلے طلبہ قرآن اور حدیث کے براہ راست مطالعہ سے دین کا مزاج اور اس کا پورا نظام اچھی طرح سمجھا جاسکے۔ ہماری عربی درسگاہوں میں بھی ایک مدت دراز سے یہ غلط طریقہ چلا آ رہا ہے کہ تعلیم کی ابتداءً فقہ سے کی جائے۔

پہرہ بزرگ اسکول کے لوگ اپنے ذہنوں میں ہی نقطہ نظر سے حدیث پڑھتے ہیں، اور قرآن کی ہر صلیک یا دو بڑی سورتیں محض تبریکہ داخل درس کو ہی جاتی ہیں، بلکہ ان بزرگوں کا کلام ابویں اور بنی خویوں کے سوا کسی اور چیز کی طرف توجہ نہیں کی جاتی۔ اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ جو فقہاء ان درس گاہوں سے نکلتے ہیں وہ قانون کے بنیات و فروع سے تو خوب واقف ہوئے ہیں مگر اس میں کوتاہی کرنے کے لئے یہ قانون بنایا گیا ہے اس کے مجموعی نظام، اس کے مقاصد، اس کے مزاج اور اس کی روح سے بڑی حد تک نا بلند رہتے ہیں۔ ان کو نہ کب شہ پر معلوم ہوتا کہ دین سے شریعت کا، اور شریعت سے فقہی مذہب کا تعلق کیا ہے۔ وہ قانونی جزئیات اور اپنے مذہب خاص کے فروعی مسائل کو حاصل دین سمجھتے ہیں ایسی چیز نے ہمارے ان فرقہ بندی کے جھگڑے اور تعصبات پیدا کیے ہیں، اور اسی چیز کا نتیجہ یہ ہے کہ مسائل زندگی فقہی احکام کا انطباق کرنے میں بار بار شریعت کے اہم ترین مقاصد تک نظر انداز کرنے جلتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اب اس غلطی کی اصلاح ہو اور کسی طالب علم کو اس وقت تک قانون نہ پڑھایا جائے جب تک وہ پہلے قرآن سے اور پھر حدیث سے دین کو اچھی طرح سمجھ لے۔

اس زمانہ میں بھی ہیں ابتدا از چند سال تک کچھ مشکلات کا سامنا کرنا ہوگا۔ کیونکہ قرآن حدیث سے جانست گریجو میٹ نہ مل سکیں گے، اور اس کے لئے شاید ہمیں لاکھوں ہی میں اس تسلیم کا بھی انتظام کرنا پڑیگا۔ لیکن آگے چل کر جب ہماری عام تعلیمی اہل لڑکھات بار آور ہو جائیں گی تو آسانی کے ساتھ یہ ضابطہ بنا یا جاسکے گا کہ لاکھوں میں صرف وہی طبقہ واقف لے سکتے ہیں جو تفسیر اور حدیث کو مخصوص مضامین کی حیثیت سے لے کر لیں گے ہوں، ورنہ دوسرے مضامین کے علیہ کو ایک صالح انداز ان مضامین پر بہت کرنا ہوگا۔

۳۔ تعلیم قانون کے مضامین میں مذہبین ضرورتاً نہ ہونے چاہئیں۔ ایک جدید زمانے کے اصول تازین (Jurisprudence) کے ساتھ ساتھ اصول فقہ کا مطالعہ، دوسرے اسلامی فقہ کی تاریخ کا مطالعہ، تیسرے فقہ کے تمام بڑے بڑے مذاہب (اسکولوں) کا غیر متعصبانہ مطالعہ۔ ان مینوں چیزوں کے بغیر طلبہ میں نہ تو فقہ کا پورا فہم پیدا ہو سکتا ہے

ندان کے اندر وہ اجتہادی صلاحیتیں ابھر سکتی ہیں جو اعلیٰ درجہ کے قاضی اور مفتی بننے کے لئے ناگزیر ہیں، اور ندان کے اندر سے ایسے ماہرین نکل سکتے ہیں جو ہماری ترقی پذیر ریاست کی روز افزوں ضرورتوں کے لئے تعبیر و قیاس اور اجتہاد و استحسان کے صحیح طریقے استعمال کر کے قوانین بنا سکیں۔ اپنے قانون کے اصولوں کو پوری طرح سمجھے بغیر آخر وہ روزنت تھے پیش آنے والے مسائل پر ان کا انطباق کیسے کر سکیں گے۔ اپنی فقہ کی تاریخ کو جانے بغیر انہیں کیونکر معلوم ہوگا کہ اسلامی قانون کا ارتقا کس طریقہ پر ہوا ہے اور آئندہ کس طریقہ پر ہو سکتا ہے۔ فقہاء اسلام کے جمع کئے ہوئے پورے ذخیرے پر وسیع نظر رکھے بغیر وہ کیونکر اس قابل ہو سکیں گے کہ جب کسی مسئلے میں ایک فقہی مذہب سے رہنمائی نہ ملتی ہو تو نیا اجتہاد کرنے سے پہلے دوسرے مذاہب فقہ سے استفادہ کر لیں۔ انہی وجوہ سے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ ہماری تعلیم قانون کے نصاب میں یہ تینوں مضامین داخل ہوں۔

۴۔ تعلیم کی اس اصلاح کے ساتھ ہمیں اپنے لاکھوں میں طلبہ کی اخلاقی تربیت کا بھی خاص اہتمام کرنا ہوگا۔ اسلامی نقطہ نظر سے لاکھ لاکھ چالاک و کبیل، نفس پرست مجسٹریٹ اور بد کردار بیچارے تیار کرنے کی فیکٹری نہیں ہے بلکہ اس کا کام تو ایسے قاضی اور مفتی پیدا کرنا ہے جو اپنی قوم میں اپنی سیرت و کردار کے لحاظ سے بند ترین لوگ ہوں، جن کی راستبازی اور عدل و انصاف پر کامل اعتماد کیا جاسکے، جن کی اخلاقی ساکھ ہر شبہ سے بالاتر ہو۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں سب سے بڑھ کر خدا ترسی، پرہیزگاری اور احساس ذمہ داری کا دور دورہ ہونا چاہیے۔ یہاں سے نکلنے والے طلبہ کو اس مسئلہ کے لئے تیار ہونا ہے جس پر کبھی قاضی شریح، امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام احمد ابن حنبل اور قاضی ابو یوسف جیسے لوگ بیٹھ چکے ہیں۔ یہاں ایسے مضبوط کیرکٹر کے آدمی تیار ہونے چاہئیں جو کسی مسئلہ شرعی میں فتویٰ دیتے وقت یا کسی معاملہ کا فیصلہ کرتے وقت خدا کے سوا کسی کی طرف نظر نہ رکھیں، کوئی لالچ، کوئی خوف، کوئی ذاتی دلچسپی، کوئی محبت اور کوئی نفرت ان کو اس بات سے نہ ہٹا سکے جسے وہ اپنے علم اور اپنے ضمیر کے لحاظ سے حق اور انصاف کی بات سمجھتے ہوں۔

عدالتی نظام کی اصلاح | اسلامی قانون کے اجراء کی خاطر زمین ہموار کرنے کے لئے ہمیں اپنے عدالتی نظام میں بھی بہت کچھ تبدیلیاں کرنی ہوں گی۔ اس سلسلہ کی چھوٹی چھوٹی تفصیلات کو چھوڑ کر میں دو چیزوں کا خاص طور پر ذکر کروں گا جو اسلامی نقطہ نظر سے بہت اہمیت رکھتی ہیں۔

پیشہ وکالت کا انسداد | اولین اصلاح طلب معاملہ پیشہ وکالت کا ہے جو موجودہ عدالتی نظام کی بدترین خرابیوں میں سے ایک، بلکہ شاید سب سے بدتر چیز ہے۔ اخلاقی اعتبار سے اس کے جواز میں یک حرف نہیں کہا جاسکتا یعنی حیثیت سے عدالتی کام کی کوئی حقیقی ضرورت ایسی نہیں ہے جو اس کے بجائے کسی دوسرے مناسب طریقہ سے پوری نہ کی جاسکتی ہو۔ اور اسلام کے مزاج سے یہ پیشہ قانون بازی اس قدر بُجھتا ہے کہ جب تک یہ پیشہ جاری ہے ہماری عدالتوں میں اسلامی قانون اپنی صحیح اسپرٹ کے ساتھ جاری ہی نہیں ہو سکتا، بلکہ اگر کہیں خدائی قانون کے ساتھ یہاں وہ بازی گری کی گئی جو انسانی قانون کے ساتھ روز کی جا رہی ہے تو عجیب نہیں کہ ہم انصاف کے ساتھ ایمان بھی کھو بیٹھیں۔ لہذا یہ نہایت ضروری ہے کہ اس پیشہ کو بتدریج ختم کر دیا جائے۔

نظری حیثیت سے وکیل کا کام یہ ہے کہ وہ عدالت کو قانون سمجھنے اور مقدمہ زیر سماعت کے حالات پر اسے منطبق کرنے میں مدد دے۔ اصولاً یہ ضرورت اپنی جگہ سٹم ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ ایک مقدمہ میں دو ماہرین قانون کی رائیں مختلف ہو سکتی ہیں، ہو سکتا ہے کہ ایک کی رائے میں ایک فریق کا مقدمہ مضبوط ہو تو دوسرے کی رائے میں دوسرے فریق کا اور عدالت کے لئے صحیح نتیجہ پر پہنچنے میں دونوں طرف کے دلائل سے مطلع ہونا یقیناً مفید ہوتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس نظریہ کو عملی جامہ پہنانے کی جو صورت طریقہ وکالت کی شکل میں اختیار کی گئی ہے، کیا فی الواقع اس سے یہ دونوں فائدے حاصل ہوتے ہیں؟ ایک وکیل اپنی قانونی مہارت کو بیکر بازار میں بیٹھ جاتا ہے اور تیار رہتا ہے کہ جس مقدمہ کا جو فریق بھی اس کے دماغ کا گریبا ادا کرنے کے لئے تیار ہو اس کے حق میں وہ قانونی نکات سوچنا شروع کرے۔ اس کو اربست کوئی بحث نہیں ہوتی کہ میرا موکل حق پر ہے یا باطل پر، مگر ہے یا بے گناہ، اپنا حق لینا چاہتا ہے یا دوسرے کا حق مار کھانا چاہتا ہے۔ اس کو اس سے بھی کوئی لکھی

نہیں ہوتی کہ قانون کا منشا حقیقت کیا ہے اور اس کی رو سے اس کے موکل کا مقدمہ صحیح ہے یا غلط۔ وہ صرف یہ دیکھتا ہے کہ اس جس نے مجھے فیس دی ہے اور میرا کام اس کی حمایت کرنا ہے۔ اس لئے وہ مقدمہ کو چیل بنا کر قانون کے مطابق ڈھالتا ہے، کمزور پہلوؤں کو چھپاتا ہے، موافق پہلوؤں کو ابھارتا ہے، روڈاد مقدمہ اور شہادتوں میں سے جن جن کو صرف وہ چیزیں نکالتا ہے جو اس کے موکل کی تائید میں ہوں، گواہوں کو توڑنے کی کوشش کرتا ہے، ذکر مقدمہ کے صحیح واقعات۔

— اگر وہ اس کے موکل کے خلاف پڑتے ہوں۔۔۔ روشنی میں نہ آسکیں یا کم از کم مشتبہ ہو جائیں اور قانون کی صرف مفید مطلب تعبیریں پیش کر کے اور ان کے حق میں دلائل دیکر جج کو گمراہ کرنا چاہتا ہے تاکہ اس کے قلم سے وہ فیصلہ نکلے جو اس کے موکل کے موافق ہو نہ کہ وہ جو تقاضائے انصاف ہو۔

اب خواہ کوئی حقیقی مجرم تھوٹ جائے یا کوئی واقعی بے گناہ پھنس جائے، کوئی حق دار بے حق ہو جائے یا غیر مستحق دوسرے کا حق مار کھائے، وکیل اس کی کچھ پروا نہیں کرتا۔ وہ حق کی حمایت کرنے اور انصاف کرانے کے لئے وکالت خانے میں نہیں بیٹھتا۔ اس کا مقصد ہوتا ہے روپیہ۔ جڑا سے روپیہ دے وہی حق پر ہے، خواہ وہ مقدمہ کا ایک فریق ہو یا دوسرا فریق۔۔۔ میں پوچھتا ہوں، کیا کسی اول اخلاق کے لحاظ سے پشیمہ وراثہ قانون بازاری جائز ٹھہرائی جاسکتی ہے؟ کیا کوئی صاحب ضمیر، خدا ترس اور ایماندار آدمی محض فیس کی خاطر اتنی بڑی ذمہ داری اپنے سر لے سکتا ہے کہ مظلوم کو داد سے محروم کرانے اور ظالم کا ظلم برقرار رکھنے کی کوشش کرے؟ اور کیانی الواقع ایسے ماہرین قانون کا شور و جھجھکوں کو انصاف کے کام میں کچھ بھی مدد دے سکتا ہے جو علانیہ اس مقصد کے لئے فیس لئے بیٹھے ہوں کہ قانون کی تعبیر لازماً اپنے نوکل ہی کے حق میں کریں گے؟ کیا کسی قانونی مسئلہ میں ایک مقدمہ کے دو مخالف وکیلوں کا اختلاف رائے حقیقی ایماندارانہ اختلاف رائے ہوتا ہے، درانحالیکہ یہی دونوں وکیل اتنے ہی زور کے ساتھ بالکل برعکس راہیں پیش کرتے اگر دونوں کے موکل بدلے ہوئے ہوتے؟

حقیقت یہ ہے کہ اس پشیمہ وکالت نے صرف ہمارے نظام عدل و انصاف ہی کو سخت نقصان نہیں پہنچایا ہے، اور صرف اتنا ہی نہیں کیا ہے کہ ہماری سوسائٹی میں قانون کی پیروی کے بجائے اس کی

خلافت درازی کو وسعت و طاقت بخشی ہو، بلکہ اس کا نقصان ہماری پوری اجتماعی زندگی میں پھیل گیا ہے، اور ہماری ریاست بھی اسی کی وجہ سے گندی ہو کر رہ گئی ہے۔ زبان اور ضمیر کا تعلق منقطع کرنے کی مشق آپ کے کالجوں کی مجالس مباحثہ سے شروع ہوتی ہے۔ یہاں ایک بولنے والے کی اصل خوبی بھی سمجھی جاتی ہے کہ وہ مسئلہ زیر بحث کے دونوں پہلوؤں کی حمایت میں یکساں زور کے ساتھ بول سکے، اور جس جانب سے بھی کھڑا ہو جائے، دلائل کے اتیار لگا دے خواہ اس کی ذاتی رائے اس کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ یہ ابتدائی مشق پیشہ دکالت میں داخل ہو کر خوب سمجھتی اور نچتہ ہوتی ہے۔ پھر جب ایک وکیل سا لہا سال تک دل کے خلاف دماغ لڑانے اور ضمیر کے خلاف زبان چلانے میں ماہر کامل ہو چکتا ہے تب وہ اپنی اسی سہرت کو نئے ہوئے ہماری قومی زندگی (Public Life) کے لئے داخل ہوتا ہے اور اپنے اس اخلاقی زہر کو ہمارے علمی، تمدنی اور سیاسی اداروں میں ہر طرف پھیلا دیتا ہے۔

اسلام اس پیشہ کو کسی طرح برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اس کے نظام میں اس کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ یہ اس کے مزاج اور اس کی روح اور اس کی روایات کے بالکل خلاف ہے۔ پچھلی دس بارہ صدیوں میں آدھی سے زیادہ دنیا پر مسلمانوں نے حکومت کی ہے اور کہیں ان کے نظام عدالت میں اس قانونی پیشے کا نشان نہیں ملتا۔ اس کے بجائے ہمارے ہاں مفتی کا منصب تھا اور اب ہمیں اسی کو تازہ کرنا چاہیے۔ قدیم زمانے کے مفتی زیادہ تر اپنی روزی کسی آزاد کاروبار سے کماتے تھے۔ اور لوگوں کو فتوے بلا معاوضہ دیا کرتے تھے۔ آج کی بڑھی ہوئی ضروریات کے لئے ہم ایسے کئے ہیں کہ ہر شہر اور ہر ضلع اور تحصیل کی ضرورتوں کے مطابق ایک کافی تعداد میں ماہرین قانون — جن میں مخصوص شہرہائے قانون کے اختصاصی ماہرین بھی شامل ہوں — سرکاری طور پر مقرر کر دیئے جائیں اور ان کو پبلک کے خزانے سے معمول تنخواہیں دی جائیں۔ ان کے پاس فریقین مقدمہ کا جانا اور ان کی کچھ "نڈمٹ" کرنا قانوناً ممنوع ہو۔ اور اسی طرح حکومت کو بھی ان کی رائے پر اثر ڈالنے کا اسی طرح کوئی حق نہ ہو جس طرح حکامان عدالت پر دوبارہ ڈالنے کا اسے حق نہیں ہے۔ عدالتیں خود بخود

ان ماہرین کے پاس مقدمات کی رودادیں بھیجیں اور ان سے رائے لیں۔ اگر ان کے درمیان اختلاف رائے ہو تو وہ عدالت میں آکر اپنے استدلال پیش کریں۔ مقدمہ کے واقعات کی تحقیق کے لئے عدالت خود بھی گواہوں پر جرح کرے اور مقتیوں کو بھی موقع دیا جائے کہ وہ گواہوں سے تمام ایسے متعلقہ حالات معلوم کریں جن کا مقدمہ پر اثر پڑتا ہو۔ اس طرح عدالتوں کو قانون سمجھنے اور مقدمات پر اس کو تطبیق کرنے میں حقیقی مدد ملے گی، ہفتیوں کا سچا اختلاف رائے بہت سے قانونی مسائل کو صاف کرے گا، عدالت کا بہت سا وقت، جو بنے ہوئے مقدمات اور مصنوعی شہادتوں کی وجہ سے اب ضائع ہوا کرتا ہے، بچ جائیگا، اور مقدمہ بازی، جس کی ساری گرم بازاری اس قانونی پیشے ہی کی بدولت ہے، ہمارے معاشرے سے رخصت ہو جائیگی۔

رہا یہ سوال کہ اگر مقدمات کو ضابطہ کے مطابق تیار کر کے عدالتوں کے سامنے پیش کرنے والے صاحب فن لوگ موجود نہ ہوں تو اہل مقدمات کو بڑی پریشانیاں لاحق ہونگی اور وہ طرح طرح کے بے ضابطہ طریقوں سے اپنے معاملات پیش کر کے عدالتوں کو بھی پریشان کریں گے، تو اس کا حل یہ ہے کہ ہم اس کے لئے مختاری کے اُس پرانے طریقہ کو زندہ کریں جو ہماری عدالتوں میں پہلے رائج تھا۔ ہمارے لاکھوں کے ساتھ ایسی سمنی کلاسیں بھی ہونی چاہئیں جن میں متوسط درجہ کے تعلیم یافتہ لوگوں کو صرف قانون ضابطہ (Procedural Law) پڑھایا جائے، اور عدالتی طریق کار سے واقف کرایا جائے۔ ان لوگوں کا کام محض یہ ہونا چاہیے کہ ایک مقدمہ کو ضابطہ کی سہولت دیکر عدالت کے سامنے پیش کرنے کے قابل بنادیں اور مختلف مراحل پر اہل مقدمات کو عدالتی طریق کار بتاتے رہیں۔ یہ لوگ اگر فیس لے کر پریکٹس کریں تو اس سے وہ خرابیاں رونما نہیں ہو سکتیں جو پیشہ وکالت سے رونما ہوتی ہیں۔

کوئٹہ فیس کا التعداد ا ملک کے نظام عدل و انصاف کو اسلامی معیار پر لانے کے لئے ایک اور ضروری اصلاح ہے کہ ہم اپنے ہاں سے کوئٹہ فیس یا کل اڑا دیں۔ یہ ایک ایسی گھناؤنی بدعت ہے جس سے ہم مسلمان مغربی تسلط سے پہلے کبھی آشنا نہیں ہوئے تھے۔ اسلامی مذاق پر یہ تصور

ہی سخت گراں ہے کہ عدالت داد رسی کی خدمت انجام دینے کے بجائے انصاف کی دوکان بن کر رہے جہاں سے کوئی شخص پیسہ دئے بغیر جس عدل حاصل نہ کر سکتا ہو، اور جہاں بے زرا انسان کے لئے یہی مقدر ہو کہ ظلم سہے اور داد نہ پائے۔ ہم چاہتے ہیں کہ انگریزی دور کے ساتھ اس کی یہ یادگار بھی خدمت ہو اور ہماری عدالتیں پھر سے اس اسلامی معیار پر قائم ہو جائیں جس کی رو سے انصاف رسانی ایک تجارتی کاروبار نہیں بلکہ ایک عبادت اور ایک خدمت بے مزد ہے۔

آپ سوال کر سکتے ہیں کہ اگر کورٹ فیس اڑادی جائے تو آخر عدالتی نظام کے مصارف کہاں سے پورے ہوں گے؟ میں اس کے جواب میں دو باتیں عرض کر دوں گا۔

ایک یہ کہ اسلامی نظام میں اتنے لمبے پورے عدالتی عملے کی ضرورت باقی نہ رہے گی جسے موجودہ حالات نے ناگزیر بنا رکھا ہے۔ پیشہ وکالت کا اتنا قدمہ بازی کو بہت کم کر دیگا اور مقدمات کا دوران بھی آجکل کی بہ نسبت بہت گھٹ جائیگا۔ پھر اخلاق، معاشرت اور معیشت کی اصلاح بھی مقدمہ بازی کو گھٹانے میں بہت کچھ مددگار ہوگی۔ پولیس اور جیل کے کارکنوں کی تربیت اور طریق کار کی اصلاح سے بھی جرائم کی تعداد میں بہت کمی واقع ہو جائیگی۔ اس طرح ہمیں اپنے نظام عدالت کے لئے اتنے ججوں اور جسٹریٹوں اور دفتری کارکنوں کی حاجت نہ رہے گی جتنے اب درکار ہوتے ہیں، اور اسی نسبت سے عدالتوں کے دوسرے مصارف بھی کم ہو جائیں گے۔ علاوہ بریں اسلامی نظام میں تنخواہوں کا معیار بھی وہ نہ ہوگا جو اب ہے۔

دوسرے یہ کہ ان تخفیفات کے بعد عدالتی نظام کے مصارف کا جو ہلکا بوجھ ہمارے خزانے پر باقی رہ جائیگا اس کو ہم ہر داد خواہ پر ڈالنے کے بجائے ان لوگوں پر ڈالیں گے جو عدالتوں سے بجا استفادہ کی کوشش کریں، یا جن کو عدالتوں کی خدمات سے غیر معمولی فائدہ پہنچتا ہو۔ مثلاً جھوٹے مقدمات دائر کرنے والوں، جھوٹی شہادتیں دینے والوں، اور عدالت کے سمنوں کی تعمیل سے گریز کرنے والوں پر جرمانے کئے جائیں۔ مجرموں پر جو جرمانے کئے جاتے ہیں وہ بھی اسی مد میں شمار ہوں۔ اور ایک خاص ثابت سے زیادہ کی ڈگری جن لوگوں کو ملے ان پر ایک خاص شرح سے ٹیکس لگا دیا جائے۔ اس قسم کی تدابیر کے

باوجود اگر محکمہ انصاف کے بجٹ میں کوئی خسارہ رہے تو اسے خزانہ عامرہ سے پورا کیا جاتا چاہیے، کیونکہ خلق کے درمیان انصاف کرنا ایک نظام حکومت کے بنیادی فرائض میں سے ہے۔

خاتمہ کلام | یہ چند تجاویز ہیں جو میرے نزدیک اس ملک میں اسلامی قانون کے اجراء و نفاذ کو ممکن بنانے کے لئے ردعمل آتی چاہئیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اہل علم اصحاب اور وہ لوگ جو عدالت و قانون کے معاملات کا عملی تجربہ رکھتے ہیں، ان پر غور فرمائیں اور انہیں مکمل کرنے کی کوشش کریں۔ میں سمجھتا ہوں کہ میری ان گزارشات سے وہ حضرات بھی ایک بڑی حد تک مطمئن ہو گئے ہوں گے جو اسلامی قانون کے نفاذ کو اب ممکن ہی نہیں سمجھتے۔ انہیں معلوم ہو گیا ہو گا کہ یہ کام کس طرح ہو سکتا ہے اور اس کی عملی تدابیر کیا ہیں۔ لیکن جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں، دنیا میں کسی چیز کی تعمیر بھی بغیر اس کے ممکن نہیں ہے کہ اس کو جاننے والے اور اس کی خواہش اور ارادہ رکھنے والے مہتمم موجود ہوں اور اس کی تعمیر کے لئے ضروری وسائل و ذرائع ان کے ہاتھ میں ہوں۔ یہ دونوں چیزیں جہاں ہم پہنچ جائیں وہاں سب کچھ بن سکتا ہے خواہ مسجد ہو یا سوالہ۔

(بقیہ صفحہ ۲۶) تو کیا عجیب کہ ذمہ داران حکومت کا ضمیر انہیں یہ سوچنے پر مجبور کر دے کہ ان کے طریق کار میں آخر وہ کیا غلطی ہے جس کی وجہ سے ساری قوم کو جوٹ، خیانت اور بے ایمانی کی تربیت مل رہی ہے۔ پھر یہ بھی ایک قابل غور معاملہ ہے کہ پہلے تو ایک بیرونی قوم اپنے مفاد کے لئے ہم پر حکومت کر رہی تھی، اس لئے لوگوں کو نہ اس پر اعتماد تھا، نہ اس سے کوئی دلچسپی اور محبت تھی، اور نہ اس کا کوئی حق وہ اپنے اوپر مانتے تھے، مگر اب تو وہ پاکستان بن چکا ہے جس کے عشق میں ساری قوم برسوں سے دیوانی ہو رہی تھی، اور اس کا انتظام وہ لوگ سنبھالے ہوئے ہیں جو قوم کے محبوب رہنا تھے، اب کیا بات کہ اسی پاکستان کا نظم و نسق چلانے اور اسے مستحکم کرنے اور ترقی دینے کے لئے جب ٹیکس لگائے جلتے ہیں تو قوم کی بہت بڑی اکثریت ان کو ادا کرنے سے جی چراتی ہے؟ کیا اس کی وجہ محض قوم کی بے حسی اور نالائقی ہے یا اس میں کچھ ہمارے سربراہ کاروں کی اپنی کوتاہیوں کا بھی کچھ دخل ہے؟ اگر ٹیکس دینے والا یہ دیکھنا کہ پاکستان کے لئے جس ایتار و قربانی کا اس سے مطالبہ کیا جاتا ہے اسی ایتار سے حکومت کے کارفرما حضرات خود بھی کام لے رہے ہیں، اور اگر ٹیکس دینے والے کو یہ اطمینان ہوتا کہ جو کچھ اس سے لیا جا رہا ہے وہ واقعی اس کی اور ملک کی فلاح و بہبود پر خرچ ہوتا ہے نہ کہ چند لوگوں کی عیاشیوں پر، تو کیا پھر بھی وہ اپنی حکومت کے مسارف میں (بقیہ صفحہ ۲۶)